انٹرویو: سید شکیل احمد

آزادی کے بعد بھی
میں گوانٹانا موبے سے آزاد نہیں ہو پاؤں گا

کیوبا میں امریکی ایکسرے کیمپ گوانٹانا موبے سے رہا ہونے والے
شاہ محمد سے ملاقات

۲۹ رمئی کے دن کے بارے میں، محکمۂ موسمیات نے پیش گوئی کر رکھی تھی کہ مطلع غبار آلود رہے گا۔ کبھی کبھی جھکڑ چلیں گے۔ ٹیکسی والے سے شام کو بات طے ہوگئی تھی۔ یہ لوگ جو وعدہ کرتے ہیں۔ اس پر عمل کرنا عموماً عیب سمجھتے ہیں لیکن حیرت ہوئی جب ڈرائیور فجر کی اذان سے ۱۰ منٹ پہلے ہی پہنچ گیا۔ پہلے یہ طے پایا تھا کہ نماز پڑھ کر نکلیں گے۔ ناشتہ راستے میں کریں گے۔ اب یہ طے ہوا کہ وقت مزید بچایا جائے اور نماز بھی راستے میں پڑھی جائے۔ پبی سے نکل کر راستے میں ایک چھوٹے سے گاؤں امان گڑھ میں نماز فجر ادا کی اور نوشہرہ میں ہلکا پھلکا ناشتہ کیا۔

ڈرائیور افغان مہاجر ہے۔ نوعمری میں پاکستان ہجرت کر کے آ گیا تھا۔ پروفیسر عبدالرب رسول کی پارٹی اتحاد اسلامی کے مجاہدین میں شامل ہوا پھر روسیوں کے خلاف جہاد کرتا رہا۔ لغمان کے ایک محاذ پر شدید زخمی ہوا۔ روسی گن شپ ہیلی کاپٹر سے برسائی جانے والی گولیوں میں سے ۴ گولیاں اس کے لگیں۔ دو ٹانگ میں پیوست ہوئیں۔ کئی ماہ اسپتال میں رہا۔ علاج سے صحت مند ہوگیا، ٹانگ میں لنگ پیدا ہوگیا تھا۔ اس کے بعد اس نے محنت مزدوری کے لیے پشاور میں ٹیکسی چلانا شروع کردی۔ پشاور میں ٹیکسی چلانے والے افغان مہاجر ہیں۔ روس کے خلاف جہاد میں حصہ لینے کے واقعات پر وہ راستے میں بہت کم بات کر رہا تھا۔ تاہم اس بات پر اسے ملال تھا کہ افغانوں نے غیر ملکی بالادستی کو قبول نہ کرنے کی غرض سے روس سے جنگ کی لیکن اب وہاں امریکی قابض ہوگئے ہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ حامد کرزئی جیسے لوگ خود مختار حکمران نہیں، یہ غلام حکمران ہیں، جنہوں نے افغان عوام کی آزادی کو امریکیوں اور فرنگیوں کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے۔ افغان ڈرائیور کی وجہ سے سفر، معلوماتی طور پر گزر رہا تھا۔ درگئی، مالاکنڈ کی پر پیچ پہاڑیوں پر وہ ایک مشاق ڈرائیور کی طرح گاڑی چلا رہا تھا۔ اس کو یہ شکوہ تھا کہ ہم پاکستانی صحافی ہیں اور اس کے ساتھ کرایہ طے کرنے میں کنجوسی سے کام لیا ہے جبکہ گوری چمڑی والے منہ مانگا کرایہ دیتے ہیں۔

انہی باتوں کے دوران قریباً ۳ گھنٹے کا سفر طے کر کے ہم ''تھانہ'' کے مقام پر پہنچ گئے۔ تھانہ سے سڑک سیدھی وادی سوات کی طرف جاتی ہے جبکہ ''تھانہ'' سے گزر کر دائیں ہاتھ کو یہ سڑک کٹ جاتی ہے اور سیدھی شاہ محمد کے گاؤں ڈھیری الہ ڈھنڈ

جا پہنچتی ہے۔شاہ محمد سے ملاقات ہی اس سفر کا سبب تھا۔تھانہ ایک بڑا گاؤں ہے اور اب ٹاؤن کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔سر سبز و شاداب علاقہ ہے۔اس کے قریب ایک علاقہ پلوس کہلاتا ہے۔جس کے مالٹے بین الاقوامی طور پر اپنی شیرینی میں مثال رکھتے ہیں۔تھانہ، پلوس، درگئی اور مالاکنڈ کا یہ علاقہ اس لحاظ سے بھی منفرد ہے کہ جب پورے پاکستان میں ٹماٹر کا سیزن ختم ہو چکا ہوتا ہے تو اس خطہ میں ٹماٹر کی فصل تیار ہو رہی ہوتی ہے۔یعنی یہاں سردیوں میں بھی ٹماٹر کی فصل حاصل ہوتی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس علاقے کے پہاڑوں کو ایسی ہیئت دی ہے کہ سردیوں یا ٹماٹر کی کاشت کے دنوں میں فصل پر پالا اور شبنم نہیں گرتی۔جس کی وجہ سے ٹماٹر کا پودا محفوظ رہتا ہے۔یہ گندم، مالٹا، جاپانی پھل، املوک وغیرہ کی پیداوار کا علاقہ ہے۔

تا حدنظر اس علاقے میں صنعت کا نام ونشان نہیں ہے۔درگئی میں فلور ملز اور بناسپتی گھی کے کارخانے ہیں۔دیگر مقامات پر بیروزگاری کا عفریت منہ کھولے کھڑا ہے۔لوگ غربت وعسرت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔بیروزگاری کی وجہ سے شرح خواندگی بھی بہت کم ہے۔یہی وجہ ہے کہ آبادی کا بیشتر حصہ روزگار کے سلسلے میں ملک کے دیگر حصوں کی طرف ہجرت کر گیا ہے۔کراچی کے علاوہ ان لوگوں کا رخ افغانستان کی طرف بھی ہوتا ہے۔جہاں یہ لوگ زیادہ تر جنگل میں لکڑیاں وغیرہ کاٹنے کی مزدوری کرتے ہیں۔

صوبہ سرحد کے عوام ویسے بھی مذہبی رجحان زیادہ رکھتے ہیں۔صوبے کی دیہی آبادی میں مذہبی رجحانات اور بھی زیادہ ہیں۔یہی رجحانات شاہ محمد میں بھی پائے جاتے ہیں۔شاہ محمد حال ہی میں گوانٹانا موکے ایکسرے کیمپ کی قید سے رہائی پا کر گھر لوٹا ہے۔وہ ایک غریب گھرانے کا فرد ہے۔اس کے چار بھائی ہیں۔بہنوں کی تعداد معلوم نہیں کیونکہ خواتین کے بارے میں غیروں سے بات چیت نہیں کی جاسکتی' اس کو عیب گردانا جاتا ہے۔شاہ محمد سے انٹرویو کے لیے رابطہ اسی روز سے ہو رہا تھا۔جدہ سے پیغام ملا تھا۔شاہ محمد کا گھرانہ چونکہ ایک عام گھرانہ ہے۔غربت، نکبت وافلاس کی زندگی بسر کرتا ہے۔چنانچہ رابطے کے لیے بڑی دشواری ہو رہی تھی۔ان کے پاس اور اڑوس پڑوس میں کوئی ٹیلی فون نہیں ہے۔تھانہ میں میرے ایک واقف ہیں اور یہ ذمہ داری ان کو سونپی گئی تھی' جنہوں نے ڈھیری الہ ڈھنڈ میں ان کے چچا زمان کو ڈھونڈ نکالا۔زمان کی کوششوں سے ہی شاہ محمد سے ملاقات میں کامیابی ہوسکی۔چنانچہ موٹر کار' دیئے ہوئے پتے کے مطابق زمان کی دکان پر رکی۔اس سے پہلے تھانہ سے اپنے واقف سلطان محمد خان کو اپنے ساتھ لے چکا تھا۔جن کی کاوش سے یہاں تک رسائی ممکن ہوئی تھی۔زمان سے اپنا تعارف کرایا پھر وہ شاہ محمد کے گھر لے گئے۔

شاہ محمد کا گھر مٹی کا بنا ہوا ہے۔صوبہ سرحد میں اب مٹی کے بنے ہوئے گھر کم ہی نظر آتے ہیں۔ہم گھر کے مرکزی دروازے پر رک گئے۔زمان نے دروازہ کھٹکھٹایا تو ایک چھوٹا بچہ باہر آیا' جس نے زمان کو سلام کیا اور ہماری طرف حیرت سے دیکھا اور اندر چلا گیا۔جس کے بعد تین چار افراد باہر آئے۔ان میں لمبے اور بکھرے بالوں والا شخص شاہ محمد تھا۔طے یہ پایا کہ

انٹرویو اس علاقے کے حجرے میں بیٹھ کر لیا جائے۔ حجرہ علاقے کے صاحب ثروت لوگ بناتے ہیں اور علاقے کے لوگ بلاتکلف خود بھی استعمال کرتے ہیں اور اپنے مہمانوں کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ شاہ محمد کے گھر سے پلٹ کر حجرے کی طرف روانہ ہوئے۔ دو پگڈنڈیوں سے گزر کر ایک کچی سڑک سے مغرب کی طرف مڑے۔ سامنے ہی چھوٹے خان کا حجرہ تھا جہاں دس پندرہ منٹ بیٹھے بلکہ انتظار میں گزرے کیونکہ شاہ محمد کے بھائی نے زمان سے کہا کہ تم مہمانوں کو لے کر حجرے پہنچو ہم آتے ہیں۔ اس انتظار کے دوران اس کے چچازمان نے بتایا کہ شاہ محمد اب تک گم صم رہتا ہے۔ ابھی تک محنت مزدوری کے قابل نہیں ہوسکا ہے۔ اس اثناء میں دو اور افراد بھی حجرے میں آ گئے۔ ان افراد کو دیکھ کر گمان ہوا کہ انہیں پہلے بھی کہیں دیکھا ہے وہ ہاتھ ملا کر قریب ہی بیٹھ گئے۔ جب شاہ محمد اپنے قریبی عزیزوں کے ساتھ وہیں پہنچا اور اس نے بات چیت شروع کی تو یہ محسوس ہوا کہ وہ جواب دینے سے پہلے یا بعد میں لازمی طور پر ان دونوں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتا ہے۔

انٹرویو کا طریقہ یہ اختیار کیا گیا تھا کہ شروع میں شاہ محمد کو یہ محسوس نہ ہو کہ باقاعدہ انٹرویو لیا جارہا ہے بلکہ دوستانہ انداز میں بات چیت ہورہی ہے تاکہ بے تکلفی پیدا ہو اور وہ ہر بات تفصیلی بیان کرے۔ شاہ محمد کے والد گل محمد نے بتایا کہ شاہ محمد اس کے چار بیٹوں میں سب سے زیادہ ذہین ہے۔ مذہب سے اسے والہانہ لگاؤ ہے۔ غربت کی وجہ سے جب اس کو چوتھی جماعت سے اٹھالیا تو جہاں یہ مغموم تھا وہاں اس کے استاد کو بھی دکھ تھا لیکن کیا کریں کہ محنت مزدوری سے گھر کا خرچ بمشکل چلتا تھا تو اس کی پڑھائی کیسے جاری رکھتے۔ دوسرے بچے بھی ہیں پھر اسے مسجد میں قرآن پڑھنے کے لیے داخل کر دیا جہاں اس نے ۶ ماہ سے کم عرصے میں قرآن ناظرہ ختم کرلیا۔ ساتھ ساتھ وہ محنت مزدوری میں بھی ہاتھ بٹاتا رہتا تھا۔ اس کے بعد ایک دو مرتبہ وہ محنت مزدوری کے لیے چکدرہ اور خال وغیرہ گیا۔ پھر اس نے گاؤں کے قریب ایک تندور پر کام شروع کر دیا اور روٹیاں پکانا سیکھ لیں۔ طالبان کے دور میں وہ افغانستان چلا گیا۔ پہلے کنڑ میں پھر دوسرے مقامات پر تندور پر روٹیاں پکاتا رہا۔ افغانستان اور صوبہ سرحد میں گھروں میں روٹیاں پکانے کا رواج کم ہے۔ تندور سے پکی پکائی روٹیاں لینے کا رواج عام ہے۔ آخر میں یہ مزار شریف پہنچ گیا۔ جہاں ڈیڑھ دو سال تک روٹیاں پکاتا رہا۔ مزار شریف جانے کا مقصد یہ تھا کہ وہاں اس کو ماہوار تنخوار (۱۵۰۰ روپے) ملنے کے علاوہ ناشتہ سمیت دو وقت کا کھانا بھی ملتا تھا۔ اس طرح وہ خاصی بچت کر کے رقم اپنے گھر والوں کو بھیجتا تھا۔

شاہ محمد سے بات چیت ہوئی تو اس نے طالبان کی بڑی تعریف کی۔ وہ ان کے نظام سے بہت متاثر تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ طالبان کے دور میں جتنا عرصہ افغانستان میں گزرا، وہاں کوئی سنگین یا قابل ذکر جرم سننے کو نہیں ملا۔ مکمل طور پر امن وامان تھا۔ حالانکہ ان کے پاس جدید ترین وسائل بھی نہیں تھے۔ پھر بھی وہ انگریزوں اور امریکیوں کے مقابلے میں دوسو گنا سے بھی زیادہ امن وامان قائم رکھے ہوئے تھے۔ خواتین کو مکمل تحفظ حاصل تھا۔ خواتین کسی بھی وقت چاہے رات ہو یا دن گھر سے نکلنے میں انہیں کوئی باک محسوس نہیں ہوتا تھا۔ پردے کے بارے میں اس کا کہنا تھا کہ پردے کی پابندی لازمی تھی لیکن یہ جبر نہ تھا کہ

پردے کے لیے کس کسم کا برقعہ یا کپڑا یا چادر استعمال کی جائے۔ٹوپی دار برقعہ افغانوں کا کلچر ہے۔اس لیے وہ زیادہ تر یہ برقعہ استعمال کرتی تھیں۔ایسے برقعے پاکستان میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔وہ اکثر اپنے والدین کو مزار شریف سے خط بھی بھیجتا تھا۔جس میں طالبان کی حکومت کے بارے میں لکھتا تھا اور ان کے نظام کی تعریف کرتا تھا۔اس کا کہنا تھا کہ اگر جنرل رشید دوستم اور شمالی اتحاد والے امریکہ کا ساتھ نہ دیتے تو امریکہ کو ہرگز کامیابی نہ ہوتی۔

شاہ محمد انٹرویو کے دوران اکثر گم صم ہو جاتا تھا۔ایسا محسوس ہوتا کہ وہ ماضی کی یادوں میں بھٹک گیا ہے۔اس کو کئی بار واپس حال میں لانا پڑتا تھا۔سوالات کے دوران وہ دو نامعلوم افراد بھی ناگوار مداخلت کرتے تھے۔جن کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ خاص آدمیوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

انٹرویو کے دوران گاؤں کے دوسرے لوگ بھی حجرے میں جمع ہو گئے۔کئی سوالات پر شاہ محمد مشتعل بھی ہوتا رہا۔بعض مرتبہ اس کی آنکھوں سے خوف کی جھلک بھی عیاں ہوتی تھی۔خاص طور پر اس وقت جب شمالی اتحاد والوں کی قید کے دوران اس کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کے بارے میں استفسار کیا جاتا۔وہ امریکیوں کے رویے کے مقابلے میں شمالی اتحاد کے لوگوں کے سلوک کو انتہائی بُرا قرار دیتا اور کہتا تھا کہ بات بات پر شمالی اتحاد والے پیسے طلب کرتے تھے۔خود اس کو ان لوگوں نے دو لاکھ روپے کے عوض امریکیوں کے ہاتھوں فروخت کر دیا تھا جبکہ محنت مزدوری کر کے اس نے والدین کے لیے جو رقم جمع کر رکھی تھی وہ بھی شمالی اتحاد والوں نے لوٹ لی۔اس کا دوسرا سامان بھی باہر سڑک پر پھینک دیا اور کچھ لوٹ کر لے گئے۔خیر سامان اس کے پاس کچھ زیادہ تھا بھی نہیں۔گزارے کے لیے چند چیزیں ساتھ تھیں۔

اس نے بتایا کہ گوانٹانا مو کے ایکسرے کیمپ میں جو لباس پہننے کے لیے دیا گیا اس میں ٹوپی بہت بھاری تھی جس کا بوجھ محسوس ہوتا تھا۔اس بوجھ نے بھی دماغ پر اثر ڈالا۔جب تک کسی قیدی کو رعایت نہیں ملتی تھی' اسے تنہا پنجرے میں بند رکھا جاتا تھا اور یہ قید تنہائی انتہائی اذیت ناک ہوتی تھی۔

شاہ محمد سے ملاقات کے بعد جب ہم واپس لوٹ رہے تھے تو فوٹو گرافر مجید بابر نے کہا کہ یہاں کیسی ویرانی ہے؟ واقعی جب یہاں آئے تھے سرسبز و شاداب چھوٹے چھوٹے میدان، وادیاں، سربلند پہاڑوں کی رعنائیاں بہت شاداب و فرحت بخش احساس لیے ہوئے تھیں۔واپسی پر ۶ گھنٹے کے دوران جو کوفت کشیدگی اور دلدوز واقعات کے تصورات ذہن میں آتے رہے تو احساس ہوا کہ انسان اتنا ظالم بھی ہو سکتا ہے۔پھر وادیوں کا حسن و جمال، تباہی و بربادی و ویرانی کے آگے جھلس کر رہ گیا۔

شاہ محمد کو اب بھی طالبان کی پسپائی پر حیرت ہے۔یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟

''جب امریکی حملے کی خبریں آ رہی تھیں تو طالبان بڑے پرعزم لگتے تھے لیکن امریکہ نے بے محابا بمباری کی خطرناک ڈیزی کٹر بم برسائے۔کہتے ہیں کہ شمالی اتحاد والوں کی نشاندہی پر امریکی جہازوں نے دھواں دھار بمباری کی

۔امریکہ نے انہیں ایسے آلات فراہم کر دیئے تھے۔جن کی مدد سے امریکی طیاروں کو طالبان کے ٹھکانوں کی صحیح طور پر نشاندہی کی جاتی تھی اور امریکی طیارے انہی ٹھکانوں پر بمباری کرتے تھے۔شاید یہی وجہ شکست کی ہو۔

مزار شریف میں بھی سب کچھ اچانک ہوا۔کہتے ہیں کہ طالبان نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ کابل میں اپنی طاقت کو جمع کریں گے۔بہرحال امریکی طیاروں کی بمباری کے علاوہ ایک طرف سے تاجک اور دوسری طرف سے ازبک بھی طالبان پر حملہ آور ہو رہے تھے۔اس قسم کی اطلاعات ملتی تھیں لیکن یہ اطلاعات کہاں تک درست تھیں۔اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔

طالبان کی جانب سے ہٹ جانے کے بعد پورے علاقے میں ایک افراتفری پھیل گئی۔کوئی کسی کا پرسان حال نہیں تھا۔میں حسب معمول تندور پر روٹیاں پکانے کی غرض سے پہنچا تو مجھے دیکھ کر سات آٹھ اسلحہ بردار شمالی اتحاد کے فوجیوں نے دبوچ لیا اور کھینچتے ہوئے لے گئے۔پہلے ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا۔پھر مزار شریف کے جیل خانے میں بند کیا۔اس طرح شبر غان جیل میں بند کیا۔میں نے انہیں لاکھ سمجھایا کہ نہ تو میں طالبان کا ساتھی ہوں نہ عربوں کا' میں تو ایک مزدور ہوں' روٹیاں پکاتا ہوں۔اگر طالبان کا ساتھی ہوتا تو میں بھی ان کے ساتھ چلا جاتا لیکن وہ میری کوئی بات سننے کو تیار نہیں تھے۔

شمالی اتحاد والے طالبان سے زیادہ پاکستانیوں سے نفرت کرتے تھے۔طالبان سے زیادہ ظلم پاکستانیوں پر ڈھاتے تھے۔امریکی بمباری سے جو افراتفری ہوئی' اس میں تو سب کچھ الٹ پلٹ ہو گیا۔وہ طالبان اور پاکستانیوں کے ساتھ ایسا سلوک کرتے تھے جیسا کہ ایک شکاری کتا اپنے شکار پر ٹوٹتا ہے۔طالبان کے مزار شریف خالی کئے جانے کے بعد جنرل رشید دوستم اور تاجک کمانڈر استاد عطا محمد کی فوجوں نے صوبے میں پہلے لوٹ مار مچائی۔ساتھ ہی طالبان کو چن چن کر قتل کیا۔ان کے ساتھ انتہائی شدائد و ظلم کا رویہ اختیار کیا گیا۔میں نے دیکھا تو نہیں لیکن مزار شریف میں قید کے دوران اطلاعات آتی تھیں کہ فلاں طالبان کا سر کاٹ کر جسم میں مٹی کا تیل چھڑک کر اسے آگ لگا دی گئی۔امریکی فوجی بھی وہاں تعینات تھے۔ان امریکیوں کی موجودگی میں ظلم کیا جاتا تھا لیکن کسی امریکی نے شمالی اتحاد یا ازبک فوج کو نہیں روکا۔

میں مزدور آدمی تھا۔تندور پر روٹیاں پکاتا تھا۔اس لیے زیادہ واقفیت نہ تھی۔البتہ قیدی بنائے جانے کے بعد تھوڑا بہت علم ہوا کہ ازبک اور تاجک میں بھی اختلاف ہیں لیکن دونوں بہت ہی ظالم ہیں۔ان لوگوں نے جو مخلص طالبان تھے انہیں انتہائی بے دردی سے قتل کیا اور بے گناہ افراد کو پکڑ کر ان پر تشدد بھی کرتے تھے اور رہائی کے بدلے رقم کا بھی مطالبہ کرتے تھے۔انہوں نے تو امریکیوں کو بھی بے وقوف بنایا۔بے گناہ افراد کو پکڑ کر القاعدہ کے نام سے انہیں فروخت کیا' مجھے خود دو لاکھ روپے کے عوض فروخت کیا۔

شمالی اتحاد والے جہاں طالبان اور پاکستانیوں کو دیکھتے تھے۔ان پر شکاری کتوں کی طرح جھپٹ پڑتے تھے۔پھر ان کا سلوک خاص طور پر پاکستانیوں کے ساتھ ایسا ہوتا کہ بیان کرتے ہوئے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔شمالی اتحاد والوں

نے کئی پاکستانیوں کے ناخن تک نکال لیے۔ بلوچستان سے تعلق رکھنے والے محمد اسحاق کے ناخن تک اکھاڑ لیے۔ جو لوگ پاکستانی پشتو بولتے یا اردو بولتے انہیں غلام بنالیا۔ وہ ان لوگوں کو ایک دوسرے کے ہاتھ فروخت کرتے ہوئے امریکیوں کے ہاتھ بھی فروخت کر دیتے۔ اتنا تشدد کرتے کہ قیدی گھنٹوں بے ہوش پڑا رہتا تھا اور بے ہوش شخص پر بھی تشدد کرتے ہوئے وہ باز نہ آتے۔

شمالی اتحاد والوں نے شبرغان جیل اور مزار شریف میں ظالمانہ اور بہیمانہ تشدد کر کے درجنوں پاکستانیوں کو شہید کر ڈالا۔ یہ لوگ انسان کہلانے کے بھی مستحق نہیں ہیں۔ ۱۸ افراد کو ۲۴ گھنٹوں کے دوران سوکھی روٹی دی جاتی تھی' جس کے ساتھ پانی کا ایک گلاس ملتا تھا۔ اکثر نمازیں ہم تیمّم کر کے پڑھ لیتے تھے۔ یہ تمام ظلم وستم امریکی افواج کی موجودگی میں ہوتا تھا۔ جس کی وجہ سے میں نہیں کہہ سکتا کہ کس کا سلوک کتنا ظالمانہ تھا۔ بہرحال افغانستان کی اسیری کا دور انتہائی ظالمانہ دور تھا۔

کیوبا منتقلی کے دوران ہمیں انتہائی ظالمانہ اور وحشیانہ سلوک کا نشانہ بنایا گیا۔ سب سے پہلے تو ہمیں زنجیروں اور مخصوص پٹیوں سے جکڑا گیا۔ آنکھیں پر سیاہ شیشوں والے چشمے چڑھا دیئے گئے۔ منہ پر ٹیپ چپکا دی گئی جبکہ کانوں میں نامعلوم قسم کے آلات ٹھونس دیئے گئے۔ ہم نہ کچھ دیکھ سکتے تھے، نہ سننے کے قابل تھے اور نہ بولنے کے۔ امریکی فوجی طیارے میں افغانستان سے کیوبا تک مسلسل ۱۸ گھنٹے کی پرواز کے دوران ہمیں اسی حالت میں رکھا گیا۔ شرمناک امر یہ ہے کہ ہماری ڈاڑھیاں، بال اور بھنویں تک مونڈ دی گئیں۔ کیوبا پہنچ کر ہمیں جانوروں کی طرح پنجروں میں بند کر دیا گیا۔

گوانٹانا موبے میں مسلسل ایک مہینے تک پنجروں میں ادھر ادھر دیکھنے، باہم بات چیت کرنے اور کھڑے ہونے پر پابندی رہی۔ اذان کی بھی اجازت نہیں تھی۔ تاہم نماز پڑھنے سے کسی نے نہیں روکا۔ ہمیں سرخ لباس پہنایا گیا تھا' جس کی ٹوپیاں انتہائی بھاری تھیں۔ ایک مہینے بعد ریڈ کراس تنظیم کی مداخلت پر ہمیں کچھ سہولتیں دی جانے لگیں' جن میں ایک دوسرے کے ساتھ ملاقات، کھڑا ہونا، اذان دینا اور خوراک میں بہتری قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح ہفتہ میں ایک بار پنجروں سے باہر نکال کر گھمایا جاتا اور دو بار غسل کروایا جاتا تھا۔

کیوبا میں قید پاکستانیوں کی ٹھیک تعداد تو مجھے معلوم نہیں' البتہ میرے اندازے کے مطابق وہاں تقریباً ۴۴ پاکستانی حراست میں ہیں۔ جن میں عبدالستار نفیسی (لاہور)، عبدالرزاق (درگئی) عثمان صاحبزادہ، امان روم اور عبدالمولا (سکنہ تھانہ مالاکنڈ) کے نام مجھے یاد ہیں۔ اہم شخصیات میں سے میری ملاقات پاکستان میں طالبان کے سفیر مُلّا عبدالسلام ضعیف اور اہم رہنما ملا فضل کے ساتھ پنجروں میں حراست کی حالت میں ہوئی۔ ان دونوں رہنماؤں کی داڑھیاں، سر کے بال اور بھوئیں بھی مونڈ دی گئی تھیں۔

ملا عبدالسلام ضعیف کو لاتے ہی میرے قریبی پنجرے میں بند کیا گیا تھا۔ لہٰذا بات چیت کے دوران انہوں نے اپنا تعارف کروایا کہ وہ پاکستان میں طالبان کے سفیر تھے۔ نام عبدالسلام ضعیف بتایا اور کہا کہ ان کی گرفتاری اسلام آباد میں

ہوئی۔ملاضعیف کی استقامت اور حوصلہ مندی قابل ذکر تھی۔وہ قریبی پنجروں کے قیدیوں کو بھی حوصلے اور استقامت کا درس دیتے اور اسے اللہ کی آزمائش سے تعبیر کرتے۔

پہلے پہل ہمیں بہت چھوٹے پنجروں میں رکھا گیا۔تفتیش مکمل ہونے کے بعد نسبتاً بڑے پنجروں کی نذر کر دیئے گئے اور بے گناہ ثابت ہونے والوں کو بعد ازاں ۴۸ کمروں پر مشتمل ایک اور بلاک میں منتقل کیا گیا' جہاں پر قیدی کو ایک کمرہ الاٹ کیا گیا تھا۔

جہاں تک میں جانتا ہوں کہ گوانتاناموبے میں قید اکثر افراد القاعدہ کے نام سے بھی واقف نہیں۔اذیتیں دے دے کر بھی امریکہ والے قیدیوں سے القاعدہ کے بارے میں ایک لفظ تک نہ اگلوا سکے۔ان افراد کو چونکہ شمالی اتحاد والوں نے پیچ ڈالا تھا 'اس لیے فطری امر ہے کہ وہ القاعدہ کے بارے میں واقعتاً کچھ نہیں جانتے تھے۔دوران تفتیش خود مجھے امریکہ میں سیاسی پناہ کی پیشکش کی گئی لیکن میں نے دین، ملک، والدین اور عزیز و اقارب سے محبت کی وجہ سے یہ پیشکش ٹھکرا دی۔وہ مجھے کہتے تھے کہ میں یہ بات قبول کرلوں کہ میرا تعلق القاعدہ اور پاکستان کی خفیہ ایجنسی سے ہے۔اس لیے لالچ بھی دیتے رہے لیکن میں نے سچ کے علاوہ کوئی بات تشدد یا لالچ سے مرعوب ہو کر نہیں کی۔اللہ کا فضل ہے کہ اس نے مجھے بے گناہ ثابت کیا۔

اس سوال پر امریکیوں کی اذیتیں زیادہ سخت تھیں یا شمالی اتحاد کی؟

شاہ محمد نے کہا: شمالی اتحاد کی اذیتیں زیادہ سخت تھیں۔جب مزار شریف میں مجھے امریکیوں کے سپرد کیا گیا تو اس وقت خوف کی فضا تھی۔معلوم نہیں تھا کہ کیا ہونے والا ہے لیکن جب قندھار سے اذیت ناک حالات میں کیوبا کے جزیرہ لے جائے گئے تو یہ سفر بہت ہولناک تھا پھر ہر قیدی کی یہ ہتک کی گئی کہ اس کی داڑھی، سر کے بال، مونچھ حتیٰ کہ بھوئیں تک مونڈ ڈالی گئیں۔قید میں جو لباس پہنایا گیا وہ بھی تکلیف دہ تھا۔خاص کر اس کی ٹوپی بہت وزنی تھی اور سر پر اس سے بوجھ پڑتا تھا۔علاوہ ازیں شروع میں قید تنہائی کی غرض سے سنگل پنجرے میں رکھا گیا۔مطلب یہ ہے کہ جو سلوک قید کے دوران کیا گیا' اس نے دماغ مفلوج کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔کئی قیدی ایسے نظر آتے تھے جو ذہنی طور پر مفلوج محسوس ہوتے تھے۔

شروع میں تو مجھ پر بھی بہت اثرات پڑے لیکن ملا عبدالسلام ضعیف کے آنے سے کئی لوگوں کے حوصلے بڑھے۔ایک تو انہوں نے آتے ہی با آواز بلند سلام کیا اور اپنے پنجرے سے بھی آواز دے کر دوسروں کا حوصلہ بڑھاتے رہے۔وہ تلاوت بھی کرتے تھے' ان کی تلاوت سن کر حوصلہ بڑھتا تھا۔خوف اور احتیاط کی وجہ سے کوئی قیدی خود بھی زیادہ کسی سے بات کرتے ہوئے کتراتا تھا۔امریکی بہت سخت نگرانی کرتے تھے۔علاوہ ازیں انہوں نے یہ طریقہ کار اختیار کیا کہ لوگوں پر ہمہ وقت خوف طاری رہے۔لوگوں کو خوفزدہ کیا جائے یعنی یہ خوف رہتا تھا کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے جبکہ سنگل پنجرے میں قید کرنا از خود ایک بہت بڑی اذیت تھی۔پھر قیدیوں کو علم نہیں تھا کہ وہ کہاں ہیں؟ مستقبل میں ان کے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔عزیز و اقارب کس حال میں ہیں یعنی دنیا سے مکمل طور پر الگ تھلگ کر دیا گیا تھا۔

ملاعبدالسلام ضعیف قیدیوں کوحوصلہ مندی کا درس دیتے اور کہتے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے۔اللہ سے رجوع کرو۔انہیں پاکستانی حکام نے گرفتار کر کے امریکیوں کے حوالے کیا۔وہ پاکستانی حکومت سے شاکی نظر آتے تھے۔

اب بے گناہ کی رہائی کا وقت آ گیا تھا۔شاہ محمد بتا رہا تھا: امریکہ والوں نے ہمیں علاج معالجے کے بہانے روانہ کیا اور یہ روانگی ایسی حالت میں ہوئی کہ ہر قیدی کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں سٹریچر کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ہم تین قیدی تھے ۔جن میں میرے علاوہ جان ولی سکنہ دیر اور دوسرے کو میں نہیں جانتا تھا' شامل تھے۔جان ولی نے گزشتہ سات آٹھ مہینوں سے بات چیت نہیں کی۔اسی حالت میں ہمیں پہلے قندھار اور پھر اسلام آباد ائیر پورٹ پہنچایا گیا۔اسلام آباد میں طبی معائنے اور مختلف پوچھ گچھ کے بعد آبائی اضلاع کے قانون نافذ کرنے والے اداروں کے سپرد کیا گیا جو ہمیں ہمارے گھر چھوڑ گئے۔

چونکہ میں ایک غریب خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔۱۵۰۰ روپے ماہوار پر ملازم تھا۔افغانستان میں مقیم تھا اور القاعدہ کے ساتھ کسی قسم کا تعلق بھی نہیں تھا۔لہٰذا اس کے باوجود مجھے ۱۸ مہینے تک حراست میں رکھنا خود امریکی قوانین کی خلاف ورزی ہے۔مجھے امید ہے کہ امریکی حکومت خود اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے بے گناہ قیدیوں کو معاوضے کی ادائیگی کرے گی۔بصورت دیگر میں قانونی چارہ جوئی کے لیے مختلف اداروں سے رابطہ ضرور کروں گا۔مجھے پوری طرح یقین ہے کہ تمام بے گناہ قیدی بہت جلد رہائی پالیں گے۔میرے گاؤں کے ایک قیدی محمد طارق کی تفتیش بھی مکمل ہو چکی ہے اور ان شاءاللہ آئندہ چند دنوں میں وہ گھر پہنچ جائے گا۔

کیوبا کے جزیرے کے علاوہ بھی قیدیوں کو کہیں رکھا گیا ہے؟

شاہ محمد کے بقول وہ اس امر کی تصدیق تو نہیں کر سکتا۔محمد اسحاق نامی قیدی سے ملاقات ہوئی تھی تو اس نے بتایا تھا کہ اسے پہلے اسرائیل لے جایا گیا۔چند مہینے بعد کیوبا کے جزیرے روانہ کیا گیا۔اسحاق کے بقول اسرائیل میں اب بھی مالاکنڈ ڈویژن اور دوسرے علاقوں کے کئی افراد زیر حراست ہیں لیکن اس کی تصدیق میں نہیں کر سکتا۔

(بشکریہ:ہفت روزہ ''اردو میگزین''۔جدہ'سعودی عرب۔۱۳جون۲۰۰۳ء)

☆.....☆.....☆

تصحیح واعتذار

ماہِ اگست۲۰۰۳ء کی اشاعت میں صفحہ ۴۶ پر ''حضرت محمد ﷺ آخری نبی اور اُمت آخری اُمت ہے۔'' کی سرخی کے ذیل میں ایک جملہ غلط شائع ہو گیا ہے۔صحیح جملہ اس طرح ہے:''رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا۔'' قارئین تصحیح فرمالیں۔کتابت کی اغلاط عمداً نہیں سہواً سرزد ہو جاتی ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے اور قارئین بھی معذرت قبول فرمائیں۔ (ادارہ)